قرآن کا بنیادی موضوع

ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن حکیم کے بنیادی موضوع کی طرف آنے سے پہلے تین باتیں ذہن نشین کر لیجیے جو بہت ہی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں اور ہمارے ذہنوں میں ہمیشہ مستحضر رہنی چاہئیں :

۱) یہ اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے اس لئے اس میں وہ ساری صفات موجود ہیں جو ذات باری تعالیٰ میں ہیں۔ یہ قرآن جو ہم پڑھتے ہیں یہ اصل قرآن نہیں ہے اسے ''مصحف'' کہتے ہیں اصل ''لوح محفوظ'' میں ہے اور ''کتاب مکنون'' یعنی چھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے۔ قرآن مجید پر لفظ ''کتاب'' کا اطلاق ہم اس لئے کرتے ہیں کہ اسے بعد میں لکھ لیا گیا تھا ورنہ اصلاً یہ اللہ کا کلام ہے جو نبیؐ پر وحی کی زبان سے لوگوں تک پہنچا۔

۲) یہ محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ اس طرح کہ پہلے پورا قرآن ماہ رمضان کی مبارک رات ''لیلۃ القدر'' میں لوح محفوظ سے ''پہلے آسمان'' پر پہنچا دیا گیا اور وہاں سے درجہ بدرجہ، تھوڑا تھوڑا کر کے بائیس برس میں نبیؐ پر جبرائیلؑ کے ذریعے اس کی ''تنزیل'' مکمل ہوئی، یعنی سن عیسوی کے اعتبار سے ۶۱۰ تا ۶۳۲ سن عیسوی میں، قمری حساب سے تقریباً ۲۳ برس بنتے ہیں۔ قرآن مجید جزیرہ نمائے عرب کا علاقہ، جو ''حجاز'' کہلاتا ہے اس میں نازل ہوا۔ اسی میں مکہ اور طائف بھی ہے اور مدینہ اور اس سے اوپر تبوک تک کا علاقہ بھی۔ نیز یہ کہ آغاز وحی سے لے کر وفات تک حضور اکرم ﷺ حجاز میں ہی رہے ہیں، اس سے باہر کہیں نہیں گئے۔ لہٰذا قرآن اسی عربی زبان میں نازل ہوا جو حجاز کی زبان تھی۔ اہم ترین بات یہ کہ نبیؐ اور آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ نے اس عرصہ میں قرآن پر مبنی اسلام کا عملی نمونہ جزیرہ نمائے عرب میں قائم کر کے دنیا کو دکھا دیا تاکہ لوگ اس پر قائم رہیں۔

۳) یہ ہر اعتبار سے محفوظ ہے، من و عن اسی حالت میں ہے جس میں نازل ہوا تھا۔ اس میں نہ کوئی تحریف ہوئی ہے نہ تبدیلی، نہ ترتیب میں، نہ متن میں۔ اس میں ہر چیز جیسی کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے امت تک پہنچائی تھی اسی حال میں محفوظ ہے اور تا قیام قیامت بلکہ ابد تک محفوظ رہے گی۔

اب آیئے اصل موضوع کی طرف کہ قرآن کا موضوع کیا ہے؟ قرآن کا بنیادی موضوع انسان ہے۔ قرآن کے بالکل ابتداء ہی میں تین قسم کے انسان بیان ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو قرآن مجید سے صحیح طور پر مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس استفاضہ کی شرائط ان لوگوں کے اوصاف کی صورت میں بیان کر دی گئی ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یا

اپنے تعصب کی بنیاد پر یا تکبر یا حسد کی وجہ سے کفر پر اڑ گئے ہیں اور اب گویا انہوں نے قرآن کریم کی ہدایت سے اپنے آپ کو یکسر محروم کر لیا ہے۔ ان دونوں کے مابین ایک تیسرا گروہ ہے جنہیں ہم منافقین کے نام سے جانتے ہیں۔ جو مدعی تو ایمان کے ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایک روگ ہوتا ہے۔

(فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ) (البقرة: ۱۰)

ترجمہ: ان کے دلوں میں مرض ہے

اور یہ روگ ان کو ایمان کی طرف یکسو ہونے نہیں دیتا۔ اس کے بعد قرآن مجید اپنی دعوت پیش کرتا ہے

(یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) البقرة: ۲۱)

اے انسانو! اپنے رب کی بندگی اور پرستش اور اطاعت اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے جتنے انسان ہوئے ان سب کو پیدا کیا تاکہ تم نیکوکار بن جاؤ۔

دعوت کا اصل اصول توحید ہے اور توحید کا خلاصہ اور لب لباب ہے

(وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ) البقرة: ۱۶۵)

جو ایماندار ہیں وہ محبت خدا میں غرق ہیں

یعنی دنیا کی ہر شے سے، مال و منال سے، اہل و عیال سے، حتی کہ اپنی جان سے اللہ کا عزیز تر اور محبوب تر ہو جانا۔ اور وہ مومن حقیقی جو اللہ کے ولی، اللہ کے دوست، اللہ کے ساتھی بن جاتے ہیں ان کی کیفیت کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (سورة یونس: ۶۲)

آگاہ ہو جاؤ اللہ کے دوستوں کیلئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن۔

ایسے ہی لوگوں کو قرآن بشارت دیتا ہے:

﴿لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ﴾ (یونس: ۶۴)

"ان کیلئے بشارتیں ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی"۔

ان مؤمنین کا نعرہ مستانہ کیا ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف: ۴۰)

"حکم کا اختیار سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں، اس نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، یہ ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں"۔

بقول اقبال ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

لیکن اس پر بس نہیں بلکہ فرمایا :

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ (العنکبوت : ۳)

"کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے صرف یہ کہنے پر کہ وہ ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا"۔

﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ﴾ (العنکبوت : ۳)

حالانکہ ہم نے ہمیشہ آزمایا ہے ان کو بھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾(العنکبوت : ۳)

اور اللہ تعالیٰ تو بالکل کھول کر رکھ دے گا کہ کون سچے ہیں اپنے دعویٰ ایمان میں اور کون جھوٹے ہیں۔

گویا محض ایمان اور اللہ کی محبت کا دعویٰ کافی نہیں، کچھ کر کے دکھانا مطلوب ہے۔ وہ کام کیا ہے جسے کرنے کا حکم ہے اور جس میں آزمائش ہے، وہ ہے :

﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

اس دین کو قائم کرو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

جو بھی اس دین (اسلام) کو قبول کریں یا جو بھی اس کے ماننے اور اس کے حامل ہونے کے دعویدار ہوں ان کا فرض ہے وہ اس دین کو قائم کریں اور اس میں تفرقے نہ پیدا کریں۔ یہ دین کل کا کل ایک وحدت ہے اس میں تفریق نہیں کی جا سکتی اور سب سے بڑا فتنہ جس میں مسلمان مبتلا ہو سکتے ہیں وہ یہی تفرقہ کا فتنہ ہے۔ مزید فرمایا :

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ﴾ (محمد : ۷)

اگر تم اللہ کے دین کو دنیا پر غالب کرنے میں اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔

یعنی یہ دو طرفہ معاملہ ہے، تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد اسلام کے نظام عدل اجتماعی، سوشل جسٹس آف اسلام کا قیام اور اسے قائم رکھنا ہے، لہٰذا فرمایا کہ :

﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ (الفتح : ۲۸)

"وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسولؐ الھدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ اس دین کو غالب کرے"۔

یعنی غلبہ دین رسولؐ اور امت محمد ﷺ کا فرض منصبی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا :

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم گواہ بن جاؤ پوری نوع انسانی پر اور نبیؐ ہو جائیں گواہ تم پر"

یعنی جو پیغام نبیؐ نے تم تک پہنچایا اسے پوری نوع انسانی تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ نبیؐ نے اپنی زندگی میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین اسلام کو قائم کر دیا تھا اور خلافت راشدہ کے دور میں اسے لگ بھگ پوری دنیا میں پھیلا دیا گیا تھا، مگر پھر رفتہ رفتہ اسے زوال آتا گیا یہاں تک کہ گزشتہ پون صدی سے اس کی علامتی حیثیت بھی باقی نہیں رہی چنانچہ اب یہ موجودہ "مسلمانوں،، خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں جنہوں نے پاکستان حاصل ہی اسلام کے نام پر کیا ہے، کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے دوبارہ قائم کر کے دنیا کے سامنے حقیقی اسلام کا نمونہ پیش کریں۔

اللہ کے دین کا غلبہ اور اسکا بالفعل قیام محض نیک تمناؤں، محض دعوت و تبلیغ یا وعظ و نصیحت کے نتیجے میں روبہ عمل نہیں آسکتا ہے۔ اس کے لئے جان و مال قربان کرنے پڑتے ہیں، سر دھڑ کی بازی لگانا پڑتی ہے۔ چنانچہ صاف صاف فرمادیا گیا

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال : ۳۹)

ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک فتنہ فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کا ہو جائے"

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (الانفال : ۶۵)

"اے نبیؐ اہل ایمان کو قتال (جنگ) کی ترغیب دیجیے!"

خود نبیؐ نے جنگیں لڑیں، زخم کھائے، صحابہ کرامؓ کی جانوں کا بیش قیمت نذرانہ پیش کیا، لہٰذا آج بھی اسلام کا غلبہ جان و مال کی قربانی دینے سے ہوگا یہ جان و مال درحقیقت ہمارے اپنے نہیں ہیں انہیں ہم اسلام قبول کر کے پہلے ہی اللہ کے ہاں فروخت کر چکے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ (التوبہ : ۱۱۱)

"اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں"۔

گویا اب اگر ہم اپنے جان و مال اللہ کی راہ میں لگانے سے دریغ کر رہے ہیں تو امانت میں خیانت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت اور توفیق دے کہ ہم اسلام کے عملی تقاضے ادا کرنے کے لئے روبہ عمل ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور اپنی نجات اخروی کے امیدوار بنیں ـــــ